سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن ہند نمبر ۸۰۶
عیدِ غدیر
رشحاتِ قلم
سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی النقوی طاب ثراہ
امامیہ مشن علی گڑھ
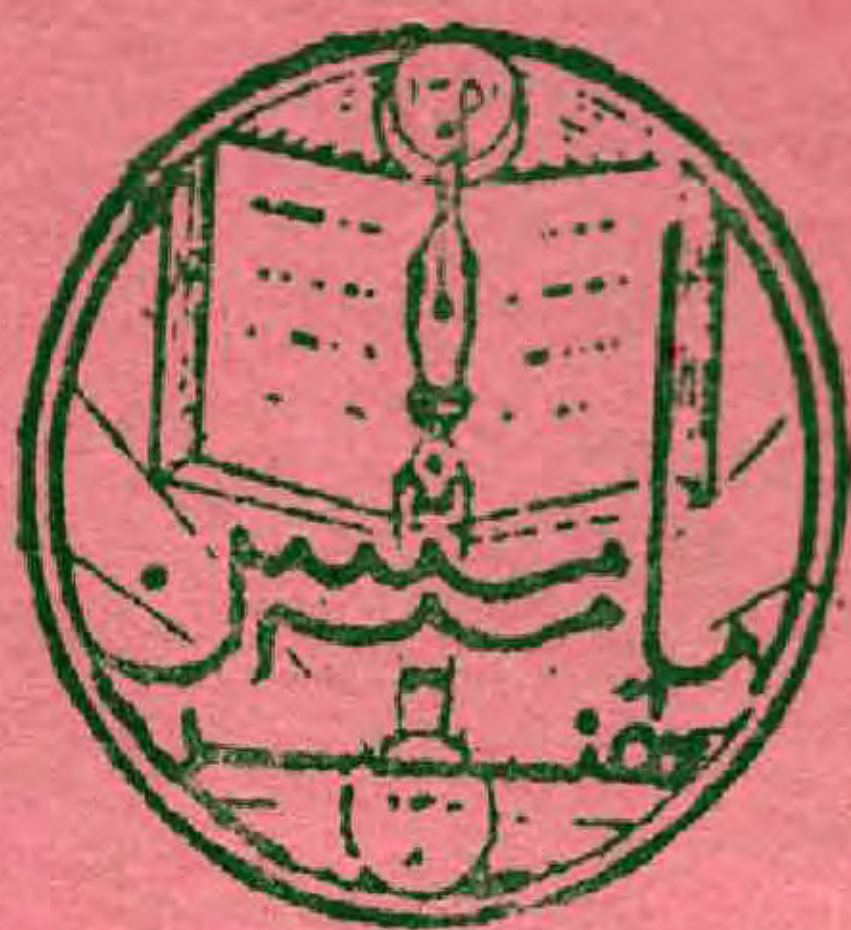
چہاردہ صدسالہ یادگار جانشینیٔ وصیٔ
رسول، امیر المومنین امام المتقین
حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام
کے موقع پر امامیہ مشن کی پیشکش۔

عیدِ غدیر

رشحاتِ قلم

سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی النقوی طاب ثراہ

امامیہ مشن علی گڑھ

مطبوعہ:

کتاب کار،

جی۔ ٹی روڈ علی گڑھ

فون ۲۴۱۳ ۲۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غدیر خم کا واقعہ سنہ۱۰ ہجری میں ۱۸/ ذی الحجہ کو پیش آیا تھا، جسے عید غدیر کے نام سے امیر المومنین حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے خلیفۂ رسول نامزد ہونے کی یادگار کے طور پر ہر سال منایا جاتا ہے۔

چونکہ ۱۸/ ذی الحجہ سنہ۱۰ ہجری شمسی حساب سے ۲۱/ مارچ کو واقع ہوئی تھی لہذا ۲۱/ مارچ عید نوروز کے عنوان سے منائی جاتی ہے مقصد یادگار جانشینئ رسول ہی ہے۔ اور اتفاق سے ۱۳۵۲ھ میں یہ دونوں عیدیں یعنی عید غدیر اور عید نوروز مارچ ہی کے مہینے میں تھوڑے سے فاصلہ سے واقع ہوئیں لہذا مجاہد ملت سید ابن حسین صاحب نقوی مرحوم سابق سیکریٹری امامیہ مشن نے سرکار سید العلماء طاب ثراہ کا رسالہ نوروز و غدیر دونوں ملی عیدوں کے نام سے معنون کرتے ہوئے سنہ۱۳۵۲ھ میں امامیہ مشن کی سترہویں دینی خدمت بیادگار جانشینئ وصی رسول امام برحق حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے عنوان سے شائع کیا تھا اور یہی رسالہ دوبارہ سنہ۱۴۰۳ھ سید نظیر حسین صاحب مرحوم سابق سیکریٹری امامیہ مشن نے طبع کیا تھا۔

سنہ۱۴۱۰ھ میں ہونے والی عید غدیر اسی جشن خم غدیر کی چودہ سو سالہ یادگار کے طور پر منائی گئی تھی لہذا امامیہ مشن پھر اسی رسالہ کو جو مضمون کے لحاظ سے حسب حال بھی ہے اور پُر از معلومات بھی چہاردہ صد سالہ جشن جانشینی وصی رسول امام برحق امیر المومنین حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے موقع پر اپنی پیشکش کے طور پر شائع کر رہا ہے۔

چودہ سو برس گذر جانے کے بعد بھی آجتک مسئلہ خلافت وہیں ہے جہاں پہلے تھا
آجتک یہ طے نہیں ہو سکا کہ خلافت جمہوری ہونی چاہیئے تھی یا منصوص من اللہ۔ اگر خلافت
جمہوری ہونی چاہیئے تھی تو پھر جو مسلمانوں کے سواد اعظم کا نظریہ ہے وہی صحیح قرار پا سکتا ہے
لیکن اگر اسے منصوص من اللہ ہونا چاہیئے تھا تو اہل تشیع کا نظریہ ہی صحیح قرار پائے گا لیکن
اس کا تصفیہ کیونکر ہو۔

حالانکہ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے اور اس پر غور و خوض کیا جا سکتا ہے کہ اگر نبوت
جمہوری تھی تو خلیفہ بھی جمہوری ہونا چاہیئے اور اگر نبوت من جانب اللہ تھی تو پھر خلافت کو
بھی لازماً منصوص من اللہ ہونا چاہیئے اس کے لئے مقصدِ بعثت پر بھی ایک نظر ڈالنی چاہیئے
کیا رسول کا مقصد بعثت ایک حکومت کی طرح ڈالنا تھا یا کچھ اور۔ آیئے کلام اللہ سے پوچھتے
ہیں:۔ ھوالذی بعثت فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ و
یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانو من قبل لفی ضلل مبین
(سورۂ جمعہ)

ترجمہ:۔ وہ وہی تو ہے جس نے اہل مکہ میں انھیں میں کا ایک رسول مبعوث کیا جو ان
کے لئے آیات قرآنی کی تلاوت کرے انھیں پاک کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم
دے اور وہ سب اس سے قبل کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

ارشاد قرآنی کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی جمہور کا منتخب شدہ نہیں تھا بلکہ
اللہ جل شانہ کا مبعوث کیا ہوا تھا، اور اس کے فرائض تھے آیات کی تلاوت، تزکیہ نفوس
اور کتاب و حکمت کی تعلیم اور اللہ نے اس عظیم کام کے لئے اپنے اس بندہ کو چنا تھا جو اس

تخلیق کا شاہکار تھا جو اس کی تخلیق اوّل تھا جو اس وقت بھی نبی تھا جب آدم مابین آب و گل تھے، جو صاحب خلق عظیم بھی تھا اور شہر علم بھی۔

جب رسول اس شان کا تھا تو خلیفہ بھی اسی شان کا ہونا چاہیئے تھا جو جزو نورِ محمدی ہو اور جو باب مدینۃ العلم ہو جو قرآن کے ساتھ اور قرآن جس کے ساتھ ہو۔ ظاہر ہے ایسا بندہ ہماری ناقص نگاہیں پہچاننے سے قاصر ہیں لہٰذا ماننا پڑیگا کہ وہ بھی انتخاب پروردگار ہی ہونا چاہیئے۔

مسلمانوں میں یہ عام تصوّر ہے کہ رسول اللہؐ بغیر کسی کو اپنے بعد اپنا خلیفہ نامزد کئے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے اور خلیفہ کا انتخاب خود امت نے اپنی صوابدید سے کر لیا حالانکہ حقیقت اس کے خلاف اور تاریخ بھی اس کی نفی کرتی ہے۔ مولانا روم نے اپنی مثنوی میں بھی اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس سے وہ کرب ظاہر ہوتا ہے جو مولانا روم نے اس واقعہ پر محسوس کیا۔

اہل دنیا کار دنیا ساختند
مصطفٰے را بیکفن بگذاشتند

اہلِ دنیا کار دنیا کرتے رہے اور مصطفٰے کو بیکفن چھوڑ دیا۔

بہر حال پہلا اعلانِ نبوت ہی پہلا اعلانِ نامزدگیٔ خلیفہ بھی تھا یعنی دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ جو آیۂ وانذر عشیرتک الاقربین کی تفسیر ہونے کی حیثیت سے جزوِ تفسیر بھی ہے، تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ ہونے کی وجہ سے مورخین کی توجہ کا مرکز بھی ہے اور محدثین نے بھی کتب احادیث میں درج کیا ہے۔

بعثت کے تین سال بعد حکم آیا وانذر عشیرتک الاقربین۔ یعنی اپنے

قرابتداروں کو ڈراؤ یہ گھرانے میں تبلیغ کا حکم تھا اس کی تعمیل میں اولاد عبدالمطلب کو دعوت میں بلایا گیا اور کھانے سے فارغ ہو کر رسول مقبولؐ نے اپنی نبوت کا یوں اعلان کیا کہ اے بنی عبدالمطلب میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی نیکی لایا ہوں اور اللہ نے مجھے اس پر مامور کیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف بلاؤں تم میں کون ہے جو اشاعت دین میں میرا دست و بازو بنے وہی میرا بھائی میرا وصی اور میرا جانشین ہوگا۔

اس اعلان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جانشینیٔ رسول میں عوام کو قطعی اختیار نہیں تھا تمام مجمع خاموش رہا اور صرف حضرت علی بن ابیطالب نے کھڑے ہو کر اس مہم کے لئے اپنی خدمات کا وعدہ فرمایا اور حضرت رسولِ خداؐ نے علی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "بس یہی میرا بھائی میرا وصی اور میرا جانشین ہے تم سب کو اس کی اطاعت لازم ہے۔ طبری کی عربی عبارت یوں ہے"۔ ان ھٰذا اخی ووصی وخلیفتی فیکم فاسمعوا واطیعوله" (تاریخ اسلام، سید العلماء) جلد ۱ صہ ۸۷ تا ۸۹)

اسی پر ختم نہیں ہے بلکہ جنگ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ صؐ نے حضرت علیؑ کو ساتھ نہیں لیا اور لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ حضورؐ آپ سے خفا ہیں تو حضرت علیؑ نے رسولؐ سے دریافت حال فرمایا جس کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یا علیؑ کیا تم راضی نہیں ہو کہ میرے نزدیک تمہاری وہی منزلت ہے جو موسیٰؑ کے نزدیک ہارونؑ کو تھی بس فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (خصائص نسائی)

اور سب سے آخر میں حجۃ الوداع سے واپسی پر جب مدینہ کی طرف چلنے کے لئے مکہ سے باہر آئے اور مقام غدیر خم پر پہونچے تو حکم الٰہی پہونچا، یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته۔

ترجمہ:- اے رسول پہونچا دیجئے وہ جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا جا چکا اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو رسالت کا کوئی کام ہی نہیں کیا،

آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم پہلے بھی آچکا تھا اور روایت سے بھی پتہ چلتا ہے لیکن تبلیغ کا وقت مقرر نہ ہوا تھا مگر اب وہ وقت بھی آگیا اور وہ مقام بھی آگیا جہاں اس حکم کی تعمیل ہونی تھی اگر حضرت اس جگہ سے آگے بڑھ جاتے تو پھر اتنا بڑا مجمع کبھی نہ ملتا اس لئے باوجود سخت گرمی اور چٹیل میدان کی تیز دھوپ کے سب جمع کئے گئے بحکم رسولؐ پالانِ شتر کا منبر بنایا گیا رسولؐ منبر کی چوٹی پر حضرت علیؑ کو ساتھ لے کر تشریف فرما ہوئے اور ایک بسیط خطبہ ارشاد فرمایا جسے شیعہ و سنی سب علماء نے درج کیا ہے۔

رسول اللہؐ نے فرمایا "میں جس کا مولا ہوں اس کے یہ علیؑ بھی مولا ہیں اور ساتھ ہی علیؑ کو ہاتھوں پر بلند کر کے مجمع کو دکھلا بھی دیا۔ پھر بعد نماز ظہر ایک خیمہ نصب کرا کے حضرت علیؑ کو اس میں بٹھایا گیا اور کل ازدواج و اصحاب کو حکم دیا گیا کہ جا کر حضرت علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کریں اور جانشینیٔ رسولؐ کی مبارکباد دیں۔

چنانچہ اس پر عمل بھی ہوا اور حضرت عمر بن خطاب کے الفاظ تاریخ نے محفوظ کر لئے "بخٍ بخٍ لک یا علیؑ اصبحت مولای و مولیٰ کل مومن و مومنۃ۔ مبارک ہو مبارک ہو یا علیؑ آپ میرے بھی مولا ہو گئے اور کل مومنین اور مومنات کے مولا ہو گئے۔ (تاریخ اسلام جلد ۴ سید العلماء ص ۱۲۷ تا ۱۳۴)

اہل سنت کے ماخذ: عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری۔ عینی الغرائب القرآن نیشاپوری، حافظ ابن مردویہ، حافظ ابو نعیم، اصابہ۔ ابن حجر عسقلانی، مسند احمد بن حنبل

سیرۃ حلبیہ ۔ نور الدین حلبی شافعی، تاریخ (ابو الفدا)

دراصل یہ رسالہ سرکار مرحوم کے تین مقتدر مقالات کا مجموعہ ہے جو علی الترتیب مبلغ لکھنؤ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ الواعظ لکھنؤ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ اور شیعہ لاہور ۱۳۴۸ھ میں شائع ہو چکے تھے۔

والسلام

تفسیر الحسن نقوی

آنریری جنرل سیکریٹری

امامیہ مشن

۱۷، نیشنل کالونی

علی گڑھ

اکتوبر ۱۹۹۰ء

برائے ایصال ثواب

۱۔ سید محبوب علی صاحب مرحوم ابن سید حشمت علی صاحب مرحوم

۲۔ قمر جہاں بیگم مرحومہ زوجہ سید محبوب علی صاحب مرحوم

۳۔ ظفر جہاں بیگم مرحومہ بنت سید رونق علی صاحب مرحوم

۴۔ جمال فاطمہ صاحبہ مرحومہ بنت سید محبوب علی صاحب مرحوم

غدیر و نوروز

قرآن کی آخری آیت اور اکمال دین و اتمام نعمت

(حضرت سید العلماء کے موعظہ ۲۲ ذی القعدہ ۱۳۵۱ھ روز یکشنبہ کا مختصر اقتباس)[1]

قرآن مجید کے متعلق جہانتک مفسرین و علمائے اسلام کے متفقہ بیانات پر نظر ڈالی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی ترتیب شان نزول کے مطابق نہیں ہوئی ہے بلکہ اس مین اول کا آخر اور آخر کا اول ہو گیا ہے اور اسی اختلاف ترتیب کا نتیجہ تھا کہ موجودہ صورت مین اسکی ابتداء و انتہاء بھی محفوظ نہین رہی ہے۔

ابتداء قرآن مجید کی یعنی سب سے پہلا سورہ کہ جو جناب رسالتمآبؐ پر نازل ہوا تھا وہ سورۂ اقراء ہے اور سب سے آخری سورہ جو نازل ہوا ہے وہ سورہ مائدہ ہے اور اس مین بھی سب سے آخری آیت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ہے۔

(۱) مبلغ لکھنؤ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ۔

اگرچہ بعض مفسیرین نے سورۃ توبہ کو آخری سورہ قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح نہین ہے اسلئے کہ سورۂ توبہ ۹ھ مین نازل ہوا ہی جبکہ رسالتمآبؐ نے حج نہین کیا تھا بلکہ امیرالمومنینؑ کو حکم امتناعی کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ کیا تھا کہ آئندہ سے مشرکین اگر خانہ کعبہ کا برہنہ طواف نہ کرین اسکے بعد رسولؐ سال بھر زندہ رہے اور آخر ۱۰ھ مین حجۃ الوداع کی فرض کو انجام دیا اور سورۃ مائدہ اسی حجۃ الوداع مین نازل ہوا ہی۔ تو پھر سورۂ توبہ آخری سورہ کہان قرار پا سکتا ہے؟

ہرگز نہین بلکہ حقیقت یہی ہے کہ آخری سورہ مائدہ ہے اور اسمین آخری آیت الیوم اکملت لکم دینکم ہے جو ۱۸ ذی الحجہ کو نازل ہوئی اُسوقت کہ جب رسالتمآبؐ نے مقام غدیر خم مین علی بن ابیطالبؑ کی وصایت کا اعلان کیا اور اگر غور کیا جائے تو آیت خود بھی اپنے آخری ہونے کا اظہار کر رہی ہے۔

اصول فصاحت و بلاغت کے رو سے جس طرح ابتدائے کلام مین ایسا تذکرہ ہوتا ہی جو اصل مقصد کو بتلاتے ہوے افتتاح پر دلالت کرے اُسیطرح اختتام مین ایسے الفاظ ہوتے ہین جو اختتام کو ظاہر کرین۔

قرآن مجید کی ابتدا ہوئی اقرأ باسم ربك الذی خلق "پڑھو خدا کا نام لیکر"۔

اس سے اشارہ ہوا کہ اب قرآن کا افتتاح ہوتا ہے اور اس لئے مخاطب کو قرأت پر آمادہ کرتے ہوئے خدا کا نام لینے کی ہدایت ہوئی جو ابتداء کی خصوصیت ہوا کرتی ہے۔

انتہا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی آمین

اکملت اور اتممت کی دونوں لفظوں سے تمام وکمال کا پتہ دیا گیا اور یہ کہ اب جو کچھ پہونچنا تھا پہونچ چکا اور جو کچھ شریعت کی تکمیل ہونا تھی ہو چکی، رسول کی زندگی میں بھی اسلئے کہ قرآن مجید پورا اتر چکا اور رسول کے بعد کی بھی اسلئے کہ بعد کا انتظام علیؑ کی وصایت کے اعلان سے کرا دیا گیا۔ اس طرح اکمال دین اور اتمام نعمت ہوا اور اسطرح اسلام دین مرضی الٰہی قرار پایا۔ یہ تھا وہ مبارک دن جسکی عظمت کا احساس اسلام والوں کے علاوہ غیروں کو تھا چنانچہ تفسیر درمنثور حافظ جلال الدین سیوطی میں ہے عن ابی العالیۃ قال کانوا عند عمر فذکروا ھذہ الآیۃ فقال رجل من اھل الکتاب لو علمنا ای یوم نزلت ھذہ الآیۃ لا تخذناہ عیداً فقال عمر الحمد للہ الذی جعلہ لنا عیداً۔

حضرت عمر کے سامنے اس آیت کا تذکرہ ہوا ایک شخص نے اہل کتاب (یہود) میں سے کہا اگر ہم کو معلوم ہوتا یہ آیت کس دن نازل ہوئی ہے تو ہم تو

اس کو عید قرار دیتے۔ حضرت عمر نے کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے اس دن کو ہمارے لئے عید قرار دیا ہے، جتنے واقعات مختلف ایام مین ہوتے ہین اُن کے لئے دو حیثیتیں پائی جاتی ہین ایک حرکت قمر کے اعتبار سے اور اُسکے تغیر و تبدل کی حیثیت سے جو مہینہ کے مختلف اوقات مین ہوتا رہتا ہے اور ایک آفتاب کی حرکت سے کہ جس کا دورہ سال بھر مین ختم ہوتا ہے اور جسکے ذریعہ سے اوقات و فصول مین تغیر و تبدل ہوتا ہے۔

شریعت اسلام کے احکام مین جہانتک نظر کی جاتی ہے اُنکی بنیاد زیادہ تر قمری حساب پر قرار دی گئی ہے اسلئے کہ اس کا انضباط ذاتی مشاہدہ و احساس پر مبنی ہے جس مین خواص و عوام مساوی درجہ رکھتے ہین اور اس طرح ہر شخص اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر اپنے اعمال کو صحیح طور سے بجالا سکتا ہے برخلاف آفتاب کی حرکت اور اُسکے منازل کے، وہ سوائے منجمین اور علماء افلاک کے کسی کی سمجھنے کی چیز نہین ہین اور اس لئے عام افراد کے لئے اُن پر عمل آسان نہین ہے۔

لیکن یہ اس اہم واقعہ وصایت امیر المومنین کی خصوصیت تھی کہ اس مین قمری و شمسی دونون حسابون کو معتبر قرار دیا گیا، قمری حساب سے تاریخ ۱۸ ذی الحجہ قرار پائی جسکا نام عید غدیر ہوا اور شمسی حساب سے چونکہ اس تاریخ جب یہ اہم واقعہ رونما ہوا آفتاب نقطۂ اعتدال پر پہونچا تھا

جو برج حمل مین اُسکے داخلہ کا مرادف ہی اسلئے سال کی تاریخون مین
یہی دن کہ جب آفتاب برجِ حمل مین داخل ہوا اور اعتدال کا وقت آئے عید قرار
پایا جس کا نام نوروز ہے اور پھر اتفاق سے امیرالمومنین عؑ کی خلافت ظاہری
بھی اُسی دن تھی جسکے معنی یہ ہین کہ آفتاب خلافت اپنے نقطۂ اعتدال پہ آیا
تھا جس کے اندر افراط و تفریط کا شائبہ نہین لاشرقیۃ ولا غربیۃ بلکہ
جوامۃً وسطًا کا صحیح مصداق ہے۔ اسلئے بھی رمز کے طور پر ہمیشہ ہمیشہ
کیلئے اس دن کو یادگار قرار دیدیا گیا اور آفتاب خلافت کے نقطۂ
اعتدال پر پہونچنے کی یاددہانی مین ہر سال جب آفتاب نقطۂ اعتدال
پر پہونچے اُسکو مسلمانون کے لئے عید مقرر کردیا گیا۔

آفتاب خلافت کا نقطۂ اعتدال

خلافت یا جانشینی رسول کو اُسکے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے دیکھو تو وہ کبھی امیرالمومنینؑ سے جدا نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی، وہ ایسی شے نہین جو چھینی جاسکے یا زبردستی اُس پر قبضۂ مخالفانہ قائم کیا جائے، مال و دولت صندوقون مین بند کر کے مضبوط و مستحکم مکانات مین مقفل کر کے رکھا جاوے اور اُسکی حفاظت کے لئے پہرے بٹھائے جائین لیکن کسی متبحّر عالم کا علم، جنگ آزما شجاع کی شجاعت، دریادل سخی کی سخاوت کبھی اسکی محتاج نہین ہوئی کہ اُس کو پردون مین چھپا کر اور صندوقون مین مقفل کر کے محفوظ کیا جائے یا اُسکے متعلق چور اور ڈاکوؤن کی دست برد کا اندیشہ ہو۔

حقیقۃً خلافت کے معنی یہ ہین کہ رسول کی وفات کے بعد ایک شخص اُنکی جگہ کو پر کر دے، باین معنی کہ اخلاق و کمالات مین اس طرح رسولؐ کی تصویر ہو کہ گویا دنیا کو معلوم ہو رسول دنیا سے اُٹھ گئے ہین، شریعت کو معلوم نہ ہو کہ مبلّغ شریعت موجود نہین ہے، اسلام کو معلوم نہ ہو کہ اُسکا موسّس عالم مین نہین ہے، قرآن کو معلوم نہ ہو کہ اسکا حامل رخصت ہو گیا، سنت کو معلوم نہ ہو کہ

(رسالہ الواعظ لکھنؤ بابتہ ذی القعدہ ۱۳۴۵ھ جلد ۹ نمبر ۴)

اُسکا پورا بخایاں ہونا باقی نہین رہا، مختصر یہ کہ فریضۂ اصلاح و نظام عالم مین جن چیزوں کو دخل ہے اُسکی حیثیت سے وہ اپنے پیش رو نبی کا اس حد تک سہیم و شریک ہو کہ تبلیغ احکام اور حفظ شریعت مین کسیطرح نقص و فتور نہ ہونے پائے، اگرچہ ذاتی و شخصی کمالات کے اعتبار سے دونوں ہستیوں مین اُتنا تفاوت ضرور ہی ہوگا جتنا خود منصب نبوت و خلافت مین تفرقہ موجود ہے

مذکورہ بالا حقیقت کو دیکھتے ہوئے خلافت کسی مقرر کیے ہوئے وظیفہ یا عطا کئے ہوئے منصب کا نام نہین ہے بلکہ اُن شخصی اور ذاتی کمالات کا نام ہے جو خالق کی طرف سے کسی مخصوص بندہ مین ودیعت کر دیے گئے ہین! اور جو مبدأ خلق و تکوین مین اُسکی ذات سے مخصوص ہو گئے ہین، وہ نہ کسی کے علیحدہ کرنے سے علیحدہ ہو سکتے ہین، نہ کسی کے چھیننے سے چھن سکتے ہین!

اس مفہوم کے اعتبار سے اگر امیرالمومنینؑ کی شخصیت پر نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ اپنی زندگی کے ہر دور، اپنی عمر کی ہر ساعت، ہر دقیقہ، ہر ثانیہ مین رسولؐ کے خلیفہ و جانشین نظر آتے ہین، کس کو یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ اس خلافت کو علی بن ابی طالب سے علیحدہ کر سکے۔

یقیناً سخت غلطی ہے اگر ہم علی بن ابیطالب کی اس خلافت کے متعلق کسی تاریخ یا دن کی تعیین کردیں، لو ذوالعشیرہ ہو، یا غدیر، یا بیعت العشیرہ کی محفل ہو! انما ولیکم اللہ کا موقع، ان مین سے کوئی بھی علیؑ کی جانشینی کی تاریخ

نہین ہی بلکہ درحقیقت یہ سب وہ اشتہارات و اعلان ہین کہ جو عام افراد کی اطلاع کے لئے شائع کیئے گیئے ہین ،

چونکہ خلافت باطنی امر اور مخفی حقیقت ہے جس کی تشخیص معمولی افراد بشر کا کام نہین ہی بلکہ وہی ہستی کہ جو نوع بشر کے آب و گل کی خلق کرنیوالی تھی اس رمز و حقیقت پر مطلع ہو سکتی ہی اسلیئے ایسے شخص کی تعیین کرنا بھی اُسی علام الغیوب ہستی کا کام ہی اور اسی لئے اُس نے رسول کی معرفت عالم بشری تک اپنے نتیجہ انتخاب کی اطلاع پہونچائی اور متعدد طریقون سے عنوان بدل بدل کر اسکی تبلیغ کرائی ، من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ ، انما ولیکم اللہ و رسولہ ھذا وصیّی و خلیفتی - علی منّی بمنزلۃ ھٰرون من موسیٰ وغیرہ وغیرہ آیات و اخبار کے ذریعہ سے علی ابن ابیطالبؑ کی خلافت کو امت اسلامیہ تک پہونچایا گیا ہے -

بیشک جس طرح رسول اپنی زندگی مین مسلمانون کے روحانی بادشاہ ہین اور اُن کا تمام نظم و نسق ، سیاہ سفید حضرت کی حکم کا تابع ہے (النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم) اسی طرح اُنکا جانشین اور خلیفہ کہ جو اُنکے مراتب کمال کا حامل اور فرائض دینیہ کا حافظ ہی خدا کی جانب سے اسبات کا مستحق ہی کہ امت کی زمام حکومت اسکے ہاتھ مین ہو اور وہ اپنی مرضی کی مطابق انکے انتظامی اور تمدنی فلاح و نجاح کا سامان بہم پہونچائے ، یہ ظاہری

آثار ہین جو خلافت الٰہیہ کے ساتھ ساتھ خلیفہ و امام کیلئے ثابت ہوتے ہین اور چونکہ اُن کا تعلق ظاہری شان و شوکت اور حکومت و سلطنت سے ہے اسلئے مختلف افراد کی طمع و حرص اور ظلم و تعدی کا مرکز بن سکتے ہین اور ظاہری نظرین اسی کو واقعی خلافت اور جانشینی خیال کرتے ہوے یہ کہنا جائز سمجھتی ہین کہ امیر المومنین سے خلافت علیحدٰہ کرلی گئی یا غیر مستحق افراد نے اُسپر قبضہ کرلیا اور ہمارے اس مضمون مین بھی آئندہ جب خلافت کی لفظ نظر آئے تو اُس سے انہی معنی کو مراد سمجھنا چاہیئے ۔

رسالتمآبؐ کی وفات کے بعد جو انقلاب ہوے اور انمین حقائق اور واقعات کا جس طرح خون کیا گیا اُسکا تذکرہ مقصود نہین ہا۔ تاریخ اُن تمام واقعات کو اپنے دامن مین لئے ہوے ہے، خلافت نے اپنے حقیقی مرکز سے ہٹکر کتنے بھیس بدلے اور کیسی مختلف صورتین اختیار کین؟ وہ تمام اُن سیاسی داؤن پیچون کا نام ہوگیا جن کے ذریعے سے مسلمانونکی جماعت کو بھیڑون کی طرح اپنے مقصد کے موافق ہنکایا جاسکے ۔

ہر شے کی ایک میعاد ہوتی ہے، ناانصافی، خود غرضی، اپنونکی جانبداری حقدارون کے حقوق سے چشم پوشی، ستم رسیدہ مظلومونکے فریاد و شیون سے چشم پوشی انتہا تک پہونچ چلی تھی، مسلمانون کے صبر و ضبط کا پیمانہ چھلکا

اور اُس نے خلیفۂ وقت کے سفینۂ حیات کو غرق کر کے چھوڑا۔
یہ اقدام کتنے بھی حق بجانب شکایات کا نتیجہ ہو لیکن اتنا ضرور ہے کہ
نامناسب تھا، امیر المومنینؑ کا تیس ۳۰ برس تک خون جگر پیتے رہنا اور صبر کرنا
اسی لیئے تو تھا کہ تلوار کھینچنا اسلام کے مجمع شیرازہ کے منتشر ہونیکا باعث
اور مسلمانون کی خون ریزی کا سبب ہے ورنہ وہی تلوار کہ جسنے جوانی میں عمرو
ابن عبد ود کا خون بہایا اور بدر و احد خیبر و خندق کو فتح کیا اور بڑھاپے میں
جمل و صفین و نہروان کے میدانوں میں اپنے جوہر دکھا کر دشمنون کے دلوں پر
سکہ قائم کیا وہی ادھیڑ پن مین بھی علی ابن ابی طالب کے پاس موجود تھی، نہ
اسکی باڑھ کند ہوئی اور نہ امیر المومنینؑ کے بازوون کی سکت مین کمی ہوئی
تھی پھر اتنی طویل مدت تک مختلف قسم کے ظلم و ایذا بلکہ توہین تذلیل کا برداشت
کرنا اسی لئے تو تھا کہ اسلام کی بندھی ہوئی مٹھی کھلنے نہ پائے، اسی وجہ سے
آخری دور مین جن افراد نے خلیفۂ وقت کے قتل کا اقدام کیا اُن کو بھی
امیر المومنین کیطرف سے کوئی مدد نہین دی گئی بلکہ متعدد مرتبہ درمیان مین پڑ کر
فتنہ کی آگ کو خاموش کیا اور غصہ مین بھرے ہوے حملہ آورونکو سمجھا بجھا کر ہٹا دیا۔
لیکن افسوس ہے کہ واقعات نازک سے نازک تر صورت اختیار کرتے
گئے اور آخر قصر حکومت کی زمین فرمانروائے خلافت کے خون سے
رنگی ہوئی نظر آئی، اب ذرا مسلمانون کی آنکھیں کھل چکی تھین تاریکی سے

دم اُکتا گیا تھا روشنی کی تلاش تھی، اُسکے لئے ڈھونڈھنے کی ضرورت نہین
تھی، غدیر کے عمومی اعلان کی آواز ایسی نہ تھی جو ایکمرتبہ فضامین گونجکر
فنا ہو جائے، یہ تو کہو کہ ابتک اغراض نفسانیہ، تعصب و عداوت تخویف
و تہدید اور جبر و ظلم لوگون کی آنکھون پر پردہ ڈال کر اُنکے ضمیر کے خلاف
ڈھکیل رہے تھے لیکن اگر اُن کے باطنی جذبات اور نفسانی کیفیات کا
جائزہ لیا جاتا تو صاف معلوم ہو جاتا کہ وہ خود اپنے نزدیک گناہگار
تھے، یقیناً اُن کی آنکھون کے سامنے غدیر کے میدان کا مرقع ہر وقت
پھرتا اور کانون مین وہ پر زور آواز گونجتی ہو گی، اب تو موانع برطرف
ہو چکے تھے، بیچ بیچ حق کی تلاش تھی اور خلافت کو اُسکے حقیقی مرکز تک
پہونچنا تھا بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ ظاہر کو باطن سے، لفظ کو معنی سے مطابق
کرنا منظور تھا، آئے اور سیدھے اُسی مرکز پر آئے جہان پہلے آنا چاہیئے تھا
علی بن ابیطالبؑ کے دروازہ پر مہاجرین و انصار کا ہجوم ہو گیا اور ہر شخص کی
یہی خواہش کہ اب آپ اپنی حقیقی جگہ پر تشریف لائین اور حفظ شریعت اور
ہدایت خلق کا فریضہ جو ابتک پردے مین رہ کر ادا کر رہے تھے اب مسند
خلافت پر متمکن ہو کر ظاہری صورت مین ادا فرمائین، تاریخی واقعات مین
جو شخص جوڑ بیٹھ لگانا چاہتا ہو اور غیر مرتب متفرق باتون کو ایک سلک
مین مسلسل دیکھنے کا عادی ہو اُسکو اِس موقع پر حیرت و استعجاب کی انتہا

نہین رہتی کہ امیرالمومنینؑ ایک وقت مین خود سے خلافت کے طالب تھے ، ایک ایک کے دروازہ پر جاجاکر ہمدردی و نصرت حاصل کرنا چاہتے اور عام طور سے اپنے حق کا اعلان کرتے تھے جس کی وجہ سے نہ معلوم کتنی مصیبتون اور سختیون کو بھی برداشت کرنا پڑا آج وہی امیرالمومنین ہین کہ مہاجرینؓ نصار چارون طرف سے گھیرے ہوئے ہین ، الحاح و اصرار کی انتہا نہین لیکن علی بن ابی طالبؑ کسی طرح خلافت کو منظور نہین کرتے اور انکار ہی کر رہے ہین بات یہ ہی کہ وہ وقت جب امیرالمومنینؑ اپنے حق کی رو سے خلافت کے طالب تھے وہ تھا کہ جب تازہ تازہ رسول کی آنکھ بند ہوئی تھی حضرت کے روحانی تعلیمات کا اثر مسلمانون کے دلون سے دور نہ ہوا تھا ، علی بن ابی طالبؑ کی سیرت اور انکا طرز عمل بھی بالکل وہی تھا کہ جو اُن کے استاد اور مربی رسالتمآبؐ کا اسوہ حسنہ تھا ، یقیناً اگر اُسوقت مسند خلافت پر علی ابن ابیطالبؑ متمکن ہو جاتے تو دنیا کو معلوم بھی نہ ہوتا رسولؐ کب دنیا سے اُٹھے ؟ وہی انصاف وہی عدالت وہی تبلیغ احکام اور حفظ شریعت ، وہی رحم و کرم اور رواداری ، وہی حدود اور قوانین اسلام کی پابندی و محافظت ، مسلمان تو اسی طریق حکومت کے عادی تھے ہی ، یقیناً عالم گہوارۂ امن و امان ہوتا اور حقیقی اسلام منتہائی ترقی کے ساتھ عالم مین منتشر ہوتا مگر اُسوقت علی کی شنوائی نہوئی ، تاہم خلافت کے دو دورون تک نظام حکومت مین جتنی کمزوریان بھی ہون لیکن اموال مسلمین

اور حقوق عامۂ ناس میں کوئی کھلی ہوئی فروگذاشت نہوتی تھی اور ظاہری صورت
میں ایک حد تک مساوات کا خیال رکھا جاتا تھا، اسی وجہ سے تیسرے خلیفہ
کے انتخاب کے موقع پر بھی امیرالمومنینؑ نے پوری قوت کیساتھ اپنے حق خلافت
کا اعلان کیا اور دلائل و براہین کے ذریعہ سے اپنے استحقاق کو ثابت کر دیا
لیکن جبکہ لوگون نے خلافت کو امیرالمومنین کے سامنے پیش کیا اور حضرت
سے اصرار کیا تو یہ وہ وقت تھا کہ مسلمانون کی عادتین خراب ہو چکی تھین،
مسلمانون کے حقوق مین عدم مساوات، جانبداری اور بیجا رعایت اموال
مسلمین میں بڑی فیاضی کے ساتھ تصرف کا دور دورہ تھا، اسلامی مساوات
اخوت اور ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم کی حقیقت بالکل لوگون کو
فراموش ہو چکی تھی اور کسی کو اس کا احساس نہ تھا تمام مناصب اور بڑے
عہدے بنی اُمیہ کے قبضہ مین تھے، اموال مسلمین کے وہ بلاشرکت غیرے مالک
بنادئے گئے تھے اور جو لوگ زیادہ حاضر دربار رہتے تھے اور بارگاہ معلّی مین
تقرب حاصل کر لیتے تھے اُن کو تمام مسلمانون سے زیادہ بیت المال کی خزانہ
کا استحقاق ہوتا تھا، بڑے بڑے اسلامی بلاد بنی اُمیہ کے زیر نگین کئے جا چکے
تھے، ان تمام واقعات نے حقیقۃً خلافت کو اس قابل نہین رکھا تھا کہ امیرالمومنین
اُسکو اپنے ہاتھ مین لین، حضرت ان حالات اور تغیرات کو پورے طور پر
سمجھے ہوئے تھے جو اسلامی مزاج مین رونما ہو گئے تھے، وہ خوب جانتے تھے

کہ مین اگر اسوقت خلافت کو منظور کرون تو کبھی کامیابی کیساتھ شریعت الٰہیہ اور احکام اسلامیہ کے راستہ پر اُس کو نہین چلا سکتا، اسی وجہ سے مہاجرین و انصار کے حد سے زائد اصرار پر آپ یہی فرماتے رہے کہ اکون وزیراً خیر لکم من ان اکون امیراً، تمہارے لیئے مین امیر ہون، اس سے بہتر یہ ہے کہ امیر کوئی اور ہو مین اُس کا وزیر ہون اسلئے کہ وزیر کا فرض مشورہ دینا ہے لیکن ذمہ دار وہ شخص ہے کہ جو تخت امارت پر متمکن ہو آخر مین امیرالمومنین کو منظور کرنا پڑا اور اس کا باعث صرف ایک تھا، اور وہ یہ کہ مہاجرین اور انصار کے منتہائی اصرار اور اس اعلان کے بعد کہ ہم آپکی امتثال اور اطاعت پر آمادہ ہین اُنکی خواہش کو رد کرنا گویا اُنکی طرف سے اتمام حجت کا باعث تھا اور اُن ذمہ داریون کو دیکھتے ہوے جو ایک حقیقی رہنمائے خلق کے متعلق خداوند عالم کی طرف سے مقرر ہین اگر حضرت اس موقع کو ہاتھ سے جانے دیتے تو خدا کی بارگاہ مین جواب دہ ہونا پڑتا۔

امیرالمومنینؑ کی خلافت ایک عیسائی کی نظر مین

عبدالمسیح انطاکی ملک عرب کے مشہور مؤلفین و مصنفین مین سے تھا اور مصر کے ارباب قلم مین خاص مرتبہ رکھتا تھا، ایک عرصہ تک جریدہ العمران کے ذریعہ عربی تاریخ ادب کی خدمت کی اور تقریباً سنہ ۱۹۲۱ء مین داعی اجل کو لبیک کہا

اسکو اسلامی واقعات سے خاص دلچسپی تھی اور کئی سال تک ممالک اسلامیہ کا دورہ کر کے اسلامی معلومات کو حاصل کیا تھا جس کا بہترین نتیجہ قصیدۂ علویہ ہے جو درحقیقت اسکی عمر کا عظیم ترین کارنامہ کہے جانیکا مستحق ہے، اہم نے دو سال قبل اخبار سرفراز کے رجب نمبر مین اس قصیدہ کے خصوصیات پر کافی روشنی ڈالی ہے لیکن چونکہ اُس کو عرصہ گذر گیا اور یقیناً وہ خصوصیات اکثر ناظرین کو محفوظ نہ ہون گے لہذا اس موقع پر اُتنے حصہ کا نقل کرنا ضروری ہے۔

"قصیدۂ علویہ عبدالمسیح انطاکی کے ان زرین کارنامون مین سے ہے جن پر دنیائے تصنیف ایک مدت تک فخر کرنے کا حق رکھتی ہے امیرالمومنین کی مفصل و مبسوط سیرت، حقایق اسلام پر تبصرہ، حکومت و خلافت پر غیر جانبدارانہ خیالات کا اظہار، بعثت رسولؐ کے قبل عرب کے اخلاق و عادات، رسالت مآبؐ کی سچی تعلیم کے تاثیرات، اسلامی تاریخ کے اہم نکات پر منصفانہ بحث، ان تمام مطالب کو ۱۰۰۰ صفحہ کی کتاب مین اس عنوان کے ساتھ جمع کیا گیا ہے جسکی نظیر اسکے قبل ملنا دشوار ہے، یقیناً امیرالمومنینؑ کی سیرت مین کسی مسلمان نے ابھی تک اس گرانقدر فرض کو اس طرح ادا نہین کیا تھا جس طرح ایک عیسائی نے اس فرض کو ادا کیا ہے، اُس پر طرہ یہ ہے کہ ادبی حیثیت .... سے

اسکو علمی سائنس کا حیرت انگیز کرشمہ کہنا چاہیے، اتنی مبسوط کتاب جس مین تمام واقعات و حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے ایک قصیدہ کے ضمن مین اس طرح نظم کرنا کہ شروع سے آخر تک ایک ہی ردیف و قافیہ باقی رہے یقیناً ادبی دنیا مین پہلا نمونہ ہے، یہ قصیدہ پانچ ہزار پانچ سو پچانوے (۵۵۹۵) اشعار پر مشتمل ہے جسمین تکلف و تصنع کا لگاؤ نہین اور خالص عربی زبان کا لطف بھی موجود ہے ۱۹۱۷؁ء سے ۱۹۱۹؁ء تک دو برس کے عرصہ مین اسکی تصنیف ہوئی ہے اور ۱۹۲۰؁ء مین مطبع عمیس (نجالہ) مصر سے طبع ہو کر شایع ہوا ہے۔" (سرفراز لکھنو جلد ۳، نمبر ۲۸) غالباً اس بیان سے قصیدۂ علویہ کے خصوصیات واضح ہو گئے ہونگے، اسی قصیدہ مین فاضل مولف نے امیرالمومنین؏ کی خلافت اور مہاجرین و انصار کے خیالات کی جن لفظوں مین تصویر کھینچی ہے اُن کو اس مقام پر نقل کرنا چاہتا ہون، مین نہین سمجھ سکتا کہ اُردو ترجمہ مین وہ لطف کہان سے پیدا کرون کہ تمام ناظرین اصل اشعار کے ممتاز خصوصیات کا اندازہ کر سکین۔

مامات عثمان الا و الصیاح دوی

بین الاعارب اعطوا القوس باریہا

حضرت عثمان کا مرنا تھا کہ ملک مین شور برپا ہو گیا، اب کمان اُسی کے بنانیوالے کے ہاتھ مین دو (یعنی خلافت اُسکے اصلی حقدار تک پہونچاؤ)

انا نروم اماماً عالماً فقیہاً   وعی الشریعۃ واستقصی معانیہا

ہم ایسا امام چاہتے ہیں جو علم و فقاہت کے ساتھ احکام شریعت کا حافظ اور اسکے معانی کا احاطہ کئے ہو۔

وحاکماً عادلاً للحق منتصراً   بہ تنال رعایاہ تساویہا

وہ ایسا عادل حاکم ہو جو ہمیشہ حق کا طرفدار رہے اور جس کے دور میں رعایا کو اندر مساوات کا درجہ حاصل رہے۔

وسیداً ماتعالی عن رعیتہ   فان أتتہ تفاہیہ یفاہیہا

ایسا سید و سردار کہ جو کبھی اپنے تیئں رعیت سے بلند نہ سمجھے اگر رعیت اُس سے اگر موبخہ درموبہ بات کرنا چاہے تو وہ کشادہ پیشانی کے ساتھ باتیں کرنے پر آمادہ ہو۔

واملاً اشتراکیاً کما نزلت   ای الھدیٰ وکما فل شلء موحیہا

اور وہ اشتراکی رہنما کہ جو آیات قرآن اور اُنکے اتارنیوالے کے منشاء کے مطابق حکم کرتا ہو۔

نختار من لا یحابی بین اُمتہ   اذا تنازع سفلیہا وعلویہا

ہم اسکو پسند کرتے ہیں جو بڑے اور چھوٹے شخص کے مقابلہ کیوقت جانبداری اور رورعایت کو صرف نہ کرے۔

نختار من لا یری تمییز عترتہ   عن أرعیتہا ویوما یحابیہا

ہم اُسکو پسند کرتے ہین جو عام رعیت پر اپنی اولاد تک کو مقدم نہ سمجھتا ہو اور اُنکے ساتھ کسی قسم کی ناحق مراعات کو جائز نہ سمجھے ۔

نختار من تعرف الھیجاء کرتہ　　　ومن یصول علی الاعداء ونیکیھا

ہم اُسکو پسند کرتے ہین جس کے تابڑ توڑ حملون کو میدان جنگ پہچانتے ہوے ہے اور جو دشمنون پر حملہ کرکے اُنکے دلون کو برمادیتا ہو ۔

نختار من یزدری الاموال یحقرھا　　　زھدا ویبذلھا برا لعافیھا

ہم اُسکو پسند کرتے ہین جو مال دنیا کو بے حقیقت سمجھتا ہو اور اُس کو دریا دلی سے فقرا و مساکین پر صرف کرے ۔

نختار من کان للھادی لرسول أخا　　　ذلک الاخوۃ الخلق ان نراعیھا

ہم اُسکو پسند کرتے ہین جو ہمارے اسلام رسول کا بھائی ہے اور اس اخوت کا لحاظ ہمکو سب سے زیادہ ضروری ہے ۔

خرنا الذی دیہ قد خارہ ورسو　　　لہ وخیرتہ ھبوا لنمضیھا

ہم نے اُسی کو پسند کیا ہے جس کو خدا اور اُس کے رسول نے منتخب کیا ہے اور اُسی کے انتخاب کو آؤ ہم بھی امضا کرین ۔

کذالک کانت جموع المسلمین تنا　　　دی بعضھا البعض ما احلی تنادیھا

یہی باتین تھین جو مسلمانون کی جمعیتون مین ایک دوسرے کو پکار پکار کر ہو رہی تھین اور حقیقۃً کتنی شیرین باتین تھین ۔

ویا لها لیلة امت دار حیدرة | بما لدیها من الآمال تزجیها

سب کے سب تکبیر وتہلیل کی آوازون کے ساتھ علی بن ابیطالب کے گھر کی طرف چلے اور امیدین انکے قدمون کو بڑھا رہی تھین ۔

وزمرة من جلة القوم قد خلت | علی العلی وحیاه محییها

اور ایک ممتاز جماعت با وجاہت اشخاص کی اُس بلند مرتبہ امام کی خدمت مین آئی، اور آداب تسلیم کو ادا کیا۔

فیها زبیر وفیها طلحة وسواهما | هذین ممن سموا فی العرب توجیها

ان مین طلحہ وزبیر اور انکے علاوہ ملک عرب کے بہت سے موجہ اشخاص تھے۔

قالت ممالکنا ذا الیوم شاغرة | وانت صهر نبی الله تحمیها

عرض کیا کہ ہمارا ملک پر آشوب ہو گیا ہے اور آپ ہی اے رسول کے داماد اب اسکی حفاظت کر سکتے ہین ۔

بادر لنجدتنا واقبل امارتنا | تفضلا وانا الی علیاک نهدیها

ذرا بڑھ کر ہماری دادرسی کیجئے اور احسان کر کے امارت کو قبول فرما لیجئے اور ہم اسے آپ ہی کی خدمت مین پیش کرتے ہین ۔

ناداهم یمموا غیری فانی قد | زهدت فیها واموا مستحبیها

حضرت نے پکار کر فرمایا کہ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ کیونکہ مجھکو اس خلافت کی پرواہ نہین اور اُن اشخاص کیطرف توجہ کرو جو اسکے دل سے طالب ہون۔

انا لمستقبلوا أمر مصاعبها لها وجوہ تغشیتھا طوار یھا؟
ہمارے سامنے ایسا سخت مرحلہ ہے کہ جسکے شدائد طرح طرح کے پہلو رکھتے ہین

أما فکم قلا غامت وھی عمطرۃ بروقھا ما اختفی عنی تلو یھا؟
تمہارے افق پر سیاہ بادل چھائے ہوئے ہین اور یہ برس کر رہین گے، اُنکی چمکتی ہوئی بجلیون کا پیچ و خم مجھپر مخفی نہین ہے

وقد تنکرت السبل التی وضحت تنکرا یوث الا ضلال والیھا؟
واضح راستے ہدایت کے اس طرح اجنبی بنگئے ہین کہ گمراہی اور سرگشتگی کا اندیشہ ہے۔

فان اجبت فانی راکب بکم طرقا بعلمی یجا نبھا مجا نبھا
اگر مین تمہاری خواہش کو قبول کرون تو یقیناً تم کو اپنے علم کے مطابق ایسے راستون پر چلاؤن گا جس سے پہلو تہی کرنے والے پہلو تہی کرتے ہین

ولست اصغی الی قول ومعتبۃ مادمت احکام رب العرش اجریھا
اور ہرگز مین کسی کے کہنے سُننے یا ناراض ہونے کی پرواہ نہ کرون گا جبتک کہ خدائی احکام کا اجرا کرتا رہون۔

وان ترکتم علیا من ولایتکم فاننی واحد من بین اھلیھا؟
اور اگر تم علی کو اپنی حکومت سے معاف کردو تو مین معمولی افراد مین سے ایک

شخص کی حیثیت سے بسر کر لیجاؤں گا۔

وقد اکون وایم اللہ اکثرکم سمعا وطوعا واخلاصا لو الیہا

اور خدا کی قسم شاید مین تم سب سے زیادہ حاکم وقت کے احکام کی اطاعت وفرمان برداری کرنے والا ہون گا۔

وان اکون وزیرا فی امارتہ خیر لکم فدعونی من تولیہا

میرا وزیر ہونا کسی دوسرے حاکم کے لئے تمہارے واسطے بہتر ہی لہذا مجھکو حکومت کے قبول کرنے سے معاف کرو۔

قالو اولیس لہا الا ابو حسن یجری سفینتہا امنا ویرسیہا

سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ابو الحسن (علیؑ) کے سوا کوئی اِس ناؤ کو منجھدار سے نکال کر ساحل تک نہین پہونچا سکتا،

انا ننا شدک اللہ المہیمن ان تعید للشرعۃ السمحا نذا لیہا

ہم آپ کو خدا کی قسم دیتے ہین کہ آپ شریعت اسلامیہ کی چمک دمک کو از سر نو تازہ کر دین۔

وان تمد یدا بیضا لامتنا بہا تعود الی ماضی بصافیہا

اور اس امت کیطرف نصرت کا ہاتھہ بڑھا کر اُسکے صاف اور خوشگوار ماضی کو دوبارہ پلٹا دین۔

الا تری للملک وللاسلام فی خطر وان ونکبتہ صعب نذا فیہا

کیا آپ مملکت اسلامیہ اور خود اسلام کو خطرہ مین نہین دیکھتے اور وہ ایسی مصیبت مین مبتلا ہی جسکی تلافی بہت مشکل ہے۔

الا تخاف الہا انت تعبدہ فی امۃ بک قد ناطت امانیہا

کیا آپکو اپنے معبود حقیقی کا خوف نہین ہی اس پوری اُمت کے بارے مین کہ جو آپ سے لو لگائے ہوے ہے۔

ولم یزالوا بہ حتی اصاخ لہم سمعا و دعوتہم اسمی ملبیہا

اور وہ لوگ یونہی اصرار کرتے رہے یہانتک کہ حضرت نے انکی تمنا پر توجہ فرمائی اور انکی خواہشون کو قبول کیا۔

حتی علی فضلہ اثنت و صاح امیر المومنین عمید العرب منیہا

یہانتک کہ سب نے حضرت کی مدح و ثنا کرنا شروع کی اور آواز دی کہ اے امیر المومنین اے سردار عرب۔

امدد یمینک فضلا کی نبایعہا واظفر ببیعۃ اخلاص نودیہا

اپنا ہاتھ پھیلائیے کہ ہم سب بیعت کرین اور آپ ہماری مخلصانہ بیعت کو قبول فرمائین۔

فقال فی عقر داری لست اقبل منکم بیعۃ خفیۃ یا مستبیعیہا

حضرت نے فرمایا کہ اے بیعت کے طالب لوگو مین اپنے گھر کی اندر مخفی حیثیت سے بیعت حاصل کرنے کو کسی طرح منظور نہین کر سکتا۔

وانما المسجد المبرور موضعها　　　والناس تشهد عاطيها ومعطيها

بے شک مسجد نبی ہیں کہ جو مبارک و مقدس مقام ہے جس موقع پر کہ تمام لوگ حکومت کے لینے والے اور دینے والے کا مشاہدہ کریں۔

فاسرعوا بالعلی المرتضیٰ اها　　　زُج السرور یغنیها مغنّیها

علی بن ابی طالب ع کے ساتھ تیزی کے ساتھ سب کے سب فرحت و سرور کے گیت گاتے ہوئے روانہ ہوئے۔

والناس من حوله تبدی بشائرها　　　من بعد ان بلغت فیه تمنّیها

لوگ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے اپنی خوشی کی جذبات کو ظاہر کر رہے تھے چونکہ انکی آرزو حضرت کے متعلق بر آئی تھی۔

حتیٰ اذا ما انتهت للمسجد النبوی　　　بایعته وما ضنّت بایدیها

یہانتک کہ مسجد نبوی میں پہنچ گئے تو سب نے حضرت کی بیعت کی اور کسی نے ہاتھ بڑھانے میں بخل نہیں کیا،

وهكذا اصبح مولانا العلی امیر المومنین وساد العرب حامیها

اور اس صورت سے ہمارا بلند مرتبہ امام تمام مومنین کا امیر قرار پایا اور عرب کی سرداری انکے سچے حمایت کرنے والے کو حاصل ہوئی۔

وسرت الخلق من عرب ومن عجم　　　به وفاضت علی الدنیا تهانیها

تمام خلق خدا عرب و عجم کو اس سے مسرت ہوئی اور دنیا میں خوشی و تہنیت کا وفور ہو گیا۔

خلافت الٰہیہ اور سیاست ملوکیہ مین تفرقہ

حقیقی جانشین رسول کی جانی خصوصیات

خدا کا رسول دنیا مین کسی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم کرنے نہین آیا تھا، نہ وہ ایسے شاندار قصرون کی تعمیر کرنا چاہتا تھا جن کے کنگرے سطح فلک سے مقابلہ کرتے ہون، نہ وہ کوئی خزانہ جمع کرنے کی ضرورت سمجھتا تھا جس مین تمام اطراف ارض کا خراج سمیٹ کر ذخیرہ کیا جائے، نہ وہ ایسا شاندار لباس پہننا باعث افتخار سمجھتا تھا جس کی چمک دمک سے دیکھنے والون کی آنکھین خیرہ ہون، بے شک اگر پروردگار عالم کی نظر مین ان ظاہری اشیاء کے لئے کوئی اہمیت حاصل ہوتی تو قیصر و کسریٰ سب سے زیادہ حقدار تھے کہ ان پر وہ اپنا پیغام نازل کرتا، ملک عرب کے بڑے بڑے سرمایہ پرست کافی وجوہ رکھتے تھے کہ وہ اُن کو اپنا سفیر مقرر کرے لیکن یہ کیا تھا کہ اُس نے بنی ہاشم کے گھرانے مین سے ابو طالب کے پروردہ یتیم کو رسالت کے عہدہ کے لئے منتخب کیا اور نبوت کا اعلیٰ منصب اسکے متعلق کیا۔ تمام سرداران

(اخبار شیعہ لاہور ۱۳ رجب ۱۳۴۸ھ ج ۵ نمبر ۲۵)

قریش اور ارباب حشم و خدم کی گردنیں اس ہستی کے سامنے خم کرا دیں کیا اس لئے کہ ان کے اقتدار سے مافوق ایک دنیاوی سلطنت قائم کرنا منظور تھا؟ ہرگز نہیں، اگر ایسا ہوتا تو وہ قادر تھا اپنے پیغمبر کے لئے مکہ و مدینہ کے پہاڑوں کو طلائے خالص بنا دیتا اور زمین کے سنگریزے زر و جواہر بنجاتے لیکن اس کے برخلاف رسولؐ نے اپنی زندگی بھر دونوں وقت شکم سیر ہوکر کھانا بھی نہ کھایا، شاہی محل اور سلطانی قصر کیسے! رسالتمآبؐ کے گھروں کی تو یہ شان تھی کہ حسن بصری نا قل ہیں کہ میں بچپنے میں رسولؐ کے گھروں کے اندر جایا کرتا تھا تو چھت کو اپنے ہاتھ سے چھو لیتا تھا (وفاء الوفاء) مسجد کا شاہی دربار جس میں ارکان دولت کا اجتماع ہوتا تھا اس میں سلطان دین و دنیا کے پاس بیٹھنے والے وہ اشخاص ہوتے تھے جنکے پاس پہننے کو سابوت کپڑا بھی نہ تھا - اس سیرت کو دیکھتے ہوئے یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں رہتی کہ خدا کا رسول ملوکانہ زندگی بسر کرنے کیلئے نہیں بلکہ بنی نوع بشر کو حقائق توحید سے مطلع کرنے اور دنیا کو درس اخلاق دینے کے لئے آیا تھا، وہ مادہ کی ظاہری شان شوکت کو توڑ کر روحانیت کے جذبہ کو ترقی دینا اپنا فرض سمجھتا تھا اور اول بعثت سے لیکر آخری وقت تک اس کا نصب العین یہی رہا -

رسول کی آنکھ بند ہوئی اور موت نے آپکے ظاہری فیوض کو مسلمانون سے سلب لیا جس کے ساتھ ہی اخلاق و عادات، جذبات و اخلاق مین عجیب غریب انقلابات پیدا ہو گئے، روحانیت کی جگہ مادیت نے لینا شروع کی اور حقائق پرستی کے بجاے سرمایہ پرستی نے اپنا عمل قائم کر دیا قیصر و کسریٰ کے ممالک فتح ہوے، ایران کی نازک مزاجی، ظاہرداری فضول خرچی کا اثر غیر متمدن عربون نے لیا اور مال غنیمت کی کثرت نے خزانون کے دامن کو زر و جواہر سے مملو کر دیا۔ اب کیا تھا، بیدردی سے اسلام کی دولت صرف کی جانے لگی اور اسلامی خصوصیات کے برخلاف ملوکیت اور جہانگیریت کا دور دورا شروع ہو گیا، مستحقین کر بجاے مسلمانون کا مال ملکی سیاست اور ذاتی اغراض کا ذریعہ قرار پا گیا۔

"سیاست" اپنے حقیقی معنی مین بہت خوشگوار اور قابل وقعت لفظ ہے، یہ درحقیقت اُس انتظامی قابلیت کا نام ہے جو مبدأ فیاض کی طرف سے مدنیت و اجتماع کی حفاظت کیلیے کسی انسان مین ودیعت کیجاتی ہے اور جس کے آثار اصلاح ملک و ملت کے ضمن مین ظاہر ہوتے ہین۔

لیکن افسوس ہے کہ جس طرح بہت سی الفاظ اپنے غلط استعمال کی وجہ سے بے وقعت ہو گئی ہین اسیطرح سیاست کا لفظ اپنے بے محل موارد

استعمال کی بدولت اصلی مفہوم سے ہٹ کر دوسرے معنی کا قالب بن گیا ہے سیاست کے معنی جدید اصطلاح مین اپنے مقصد کو حق ناحق ہر طریقہ سے کامیاب بنانا اور اُس کے حصول مین جن طریقون کی بھی ضرورت ہو اُن کا بلند حوصلگی کے ساتھ استعمال کر کے اُس مقصود کو حاصل کر لینا۔

خدائی مدرسۂ اخلاق و تمدن کے تعلیمیافتہ افراد مین سیاست کی جذبہ کو مذکورۂ بالا حیثیت سے تلاش کرنا کھلی ہوئی غلطی ہے، نہ یہ کہ وہ سیاست کے پیچیدہ رموز و اسرار سے ناواقف ہوا کرتے ہین، ہر گز نہین بلکہ اس لئے کہ اُن کو دیانت و امانت کی فرائض اور خدائی قانون کی دفعات اجازت نہین دیتے کہ وہ اُن طریقون کا استعمال کرین، وہ تو قدم قدم پر اپنے خدا کی مرضی کے جویا اور اُس کی خوشنودی کے طالب ہوا کرتے ہین اور اپنی حرکت و سکون بلکہ گردش چشم اور جنبش زبان مین اسبات پر نظر رکھتے ہین کہ اس قانون کی خلاف ورزی نہونے پائے جسکے وہ پابند بنا دئے گئے ہین اس فلسفہ کو حکیم الاسلام امیر المومنین ؑ نے چند کلمون مین اس طرح ادا فرمایا ہے واللہ لولا الدین لکنت ادھی العرب۔ دنیا پرست افراد اپنے مقصد کے حصول مین ہر جائز و ناجائز طریقہ کا عمل مین لانا ضروری سمجھین لیکن شریعت الٰہیہ کے محافظ اور دینی احکام کی نگہبان افراد کسیطرح اِن طریقون کو اختیار نہین کر سکتے جن کے متعلق مذہبی احکام اجازت نہین

ویسے اگر سیاست سے ناواقفیت اسی کا نام ہے تو ہم بہت کشادہ پیشانی کے ساتھ اِس کے تسلیم کرنے کے لئے موجود ہین۔ دنیاوی بادشاہون، مادہ پرست ارباب اقتدار مین اگر تم سیاست کے اِس مفہوم کو تلاش کرتے ہو تو کچھ بیجا نہین، مگر خلافت الٰہیہ کے مالک اور شریعت مقدسہ کے محافظ افراد کے حالات زندگی اور طرز عمل مین اس مفہوم کی جستجو کرنا دانشمندی سے بہت بعید ہے۔

وصی درحقیقت نبی کا جانشین ہوا کرتا ہے لیکن جانشینی سے مراد صرف ظاہری مسند پر بیٹھ جانا یا منبر پر رسول کی جگہ کو پر کردینا نہین ہے بلکہ اعمال و اخلاق اور سیرت مین بالکل رسول کی تصویر ہو کر دنیا کے سامنے نمونۂ رسول بنکر ظاہر ہونا ہے جسکی وجہ سے رسول کی جگہ پر ہو جاتا ہے یعنی کہ اخلاق و کمالات کی حیثیت سے وصی اس طرح نور رسالت کا آئینہ بنجائے کہ گویا دنیا کو معلوم ہو کہ رسول عالم مین موجود نہین ہین، یہ حقیقی معنی جانشینی کے ہین اور جسمین یہ صفت پائی جائے وہی حقیقی جانشین رسول کہے جانیکا مستحق ہے۔

رسالتمآب کی وفات کے بعد جو انقلابات پیدا ہوئے انھون نے شریعت اسلامیہ کی صورت کو بہت کچھ بدلدیا تھا اور روحانیت کے بجای مادیت نی نولے طور پر اپنا عمل قائم کرلیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارباب اقتدار کی طرف سے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے اسلامی روپیہ عالی حوصلگی کیساتھ صرف کیا جانے لگا

مخصوص حوالی موالی اور رشتہ دارون کا خیال تمام مسلمانون سے مقدم رکھتے ہوئے اہل اسلام کے مشترکہ اموال کو معدودے چند افراد سے مخصوص کر دیا گیا، حضرت عثمان کا دوران خصوصیات کی حیثیت سے پورا امتیاز رکھتا ہے۔

مصر، عراق، شام تمام اطراف خاندان بنی امیہ کے تسلط و اقتدار کا مرکز بنگئے، مروان بن الحکم جو رسول کی زندگی مین بلکہ اُس کے بعد بھی خلیفہ اول و خلیفہ ثانی کے عہد تک مدینہ کے اندر داخل ہونے سے ممنوع تھا وہ ذاتی مصالح کی بنا پر اتنا سر چڑھایا گیا کہ خلافت اسلامیہ کا نظم و نسق اُسکی چشم و ابرو کے اشارہ کا تابع ہو گیا، آرمینیا کا ملک فتح ہوتا ہے اور اس کا پورا خمس مروان کو ہبہ کر دیا جاتا ہے، عبداللہ بن خالد بن امیہ تنگدستی کا اظہار کرتا ہے اسکو ۴ لاکھ درہم بیت المال سے سپرد کر دیئے جاتے ہین، حکم بن ابی العاص جسکی گردن مین رسول کی زبان سے لعنت کا طوق پڑ چکا تھا وہ مدینہ مین لاکر مقربین بارگاہ مین داخل کیا گیا اور اسی پر اکتفا نہین کی بلکہ حقوق مسلمین سے ایک لاکھ درہم بھی اُسکو عطا کر دیے گئے، مروان کے بھائی حارث بن حکم کو "تہرز" نامی ایک موضع لکھدیا گیا حالانکہ رسالتمآب اپنی زندگی مین اُسکو مسلمانون کے لئے تصدق قرار دے چکے تھے، خود مروان بن الحکم کے نام فدک لکھدیا گیا حالانکہ یہی وہ باغ ہے جسکے لئے فاطمہ زہرا علیہا السلام نے پہلے دور مین کبھی میراث کی بنا پر اور کبھی عطیہ رسول ہونیکی رو سے احتجاج کیا مگر اُنکے قول کو رد کیا گیا اور اسکو مسلمانون کے لئے وقف بتایا گیا، لیکن تیسرے دور مین حکم بدل گیا اور اُسے

مروان بن الحکم طرید رسول کی ملکیت قرار دینا جائز سمجھا گیا، مدینہ کے ارد گرد جتنی
سرسبز وشاداب زمینیں تھیں وہ سب حکومت کی طرف سے اپنے لئے مخصوص قرار
دیدی گیئں اور سوائے بنی امیہ کے کسی شخص کو مسلمانوں میں سے وہاں مویشی لیجاکر
چرانے کی اجازت نہیں رہی، افریقیہ غربی (طرابلس الغرب سے لیکر طنجہ تک) فتح ہوا
اور جتنا بھی مال خراج وہاں سے آیا وہ سب بلا شرکت غیرے عبداللہ بن ابی
سرح کو عطا کردیا گیا، معاویہ کے والد ابوسفیان بن حرب کو بیت المال سے
دولاکھ روپیہ دیئے گئے اور یہ اسی دن کا تذکرہ ہے کہ جب مروان کو ایک لاکھ درہم
ملے تھے جس پر زید بن ارقم خازن بیت المال نے کنجیاں لاکر سامنے رکھدیں
اور رونا شروع کیا، حضرت عثمان نے کہا کہ تم اس لئے روتے ہو کہ میں نے اپنے قرابت
داروں کی اعانت کی، زید نے کہا ایسا نہیں بلکہ میں اس خیال سے رویا کہ آپ نے مسلمانوں کا
مال غیر مستحق اشخاص کے سپرد کیا، اگر مروان کو سو درہم بھی دیئے جاتے تو بہت تھے
اور ابوسفیان کو ایک درہم بھی ملتا تو زیادہ تھا کیونکہ یہ دونوں ہمیشہ سے
اسلام کے ساتھ جنگ کرتے رہے بعوض اسکے کہ ان کلمات سے کچھ اثر لیا جاتا جواب
ملا کہ اچھا کنجیاں رکھدو ہمکو بیت المال کی خزینہ داری کے لئے کوئی دوسرا شخص مل
جائیگا۔ اسکے علاوہ ابوموسیٰ اشعری نے عراق سے اموال خراج کو بھیجا وہ تمام بنی امیہ
کے درمیان تقسیم کردیا گیا اس قسم کے واقعات کثرت سے ہیں جنکو اگر تفصیل سے بیان کیا
جائے تو ایک طویل مضمون درکار ہے۔

بنی امیہ کے ساتھ ان تمام رعایتوں کا منشا، صرف سیاسی مصالح تھے اور یہ غرض تھی کہ بنی ہاشم کے مقابلہ میں اس گروہ کو پوری طاقت حاصل رہے اور دامن خلافت تک کوئی آنچ آنے لگے تو یہ لوگ سینہ سپر ہوں شام میں معاویہ اور اُن کے جانشین سلاطین نے طلا و نقرہ کی سیاسی بارش کو بہت ترقی دی، اُن کا نقطۂ نظر زیادہ وسیع تھا، وہ صرف بنی اُمیہ کے جذب قلوب پر اکتفا نہ کرتے ہوئے تمام اشراف قبائل اور رؤسائے قریش کی رضامندی کو حاصل کرنا چاہتے تھے اور اکثر وہ اپنے طلائی اور نقرئی سکوں سے اپنے مقاصد میں کامیاب بھی ہو جاتے تھے، اگر ذرا غور سے ان تمام سلاطین کے حالات زندگی میں غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ انکی غرض سوائے اپنے ذاتی مصالح اور سیاسی اغراض کے اور کچھ نہ تھی اور اپنے مقصد کے حصول میں کسی مذہبی یا اخلاقی قانون کا لحاظ ضروری نہ سمجھتے تھے، یہی ملوکانہ سیاست اور دنیاوی طریق حکومت ہے جس سے اسلام کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

اس سب کے مقابلہ میں جب امیر المومنینؑ کے طرز حکومت اور حالات زندگی پر نظر کیجائے تو بے ساختہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کا اقتدار زر و جواہر کی بارش کا رہین منت اور سیاسی طریق عمل کا زیر بار احسان نہیں ہے، آپ

اپنے پیش نظر حضرت رسول اکرمؐ کی طرح خالص روحانی سلطنت کی بنیاد قائم کرنا چاہتے تھے جس مین تصنع اور ریاکاری، جنبہ داری کا نشان تک نہین پایا جا سکتا، مسلمانون کے بیت المال کو حضرت ایک امانت سمجھتے تھے جو خالق کریم کی طرف سے آپکے ہاتھ مین مستحقین تک پہونچانے کے لئے ودیعت رکھی گئی ہے، کیا ممکن ہے کہ اُسمین سے ایک حبہ بھی بلا استحقاق کسی کو دیدیا جائے، ایک طرف شام مین قبیلۂ قریش کے بڑے بڑے افراد کیلئے خزانون کے منہ کھلے ہوے تھے اور جو شخص بنی ہاشم سے منحرف ہو کر حاکم شام کا دوست ہو جائے وہ مال دنیا سے مالا مال ہو جاتا تھا لیکن دوسری طرف قرآن مجید کی تعلیم کا خیال اور سنت رسولؐ کی پابندی پیش نظر تھی، تمام مسلمانون میں مساوات جو شریعت اسلامیہ کا طرۂ امتیاز ہے اور جس کو کتاب خدا نے انما المومنون اخوۃ لکھکر واضح کیا تھا، اُس سے امیر المومنین ذرہ برابر ہٹنا نہ چاہتے تھے، یہانتک کہ اس مساوات سے حضرت کی اولاد، بھائی، بھتیجے، اور دیگر عزیز قریب بھی مستثنیٰ نہ تھے، عقیل جو حضرت کے حقیقی بھائی تھے اُنھون نے کتنا چاہا کہ انکے مقررہ وظیفہ مین کچھ اضافہ کردیا جائے مگر کسی طرح امیر المومنینؑ نے منظور نہ کیا، سابق دور مین قرابت دارون اور قوم قبیلہ والون کے ساتھ مخصوص رعایتین عقیل کو ہمت دلا رہی تھین کہ وہ بھی اپنے بھائی سے اِس قسم کی رعایتون

کے خواستگار ہوں لیکن علی بن ابیطالبؑ کی طرف یہی جواب ملتا تھا کہ بیت المال تمام مسلمانوں کا حق ہے مجھ سے مخصوص نہیں ہاں میں بھی دوسرے مسلمانوں کے برابر لینے کا مستحق ہوں، اگر تم کہو تو میں اپنے حصہ میں سے تمکو دیدوں، عقیل کا اصرار زیادہ ہوا، حضرت نے فرمایا کہ جمعہ کو مسجد میں نماز کیوقت مجھ سے ملاقات کرو، روز جمعہ جب مسجد نمازگذاروں سے مملو ہو گئی اور حضرت نماز و خطبہ سے فارغ ہوئے تو عقیل کو اپنے پاس بلا کر ارشاد فرمایا، کیوں تمہارے نزدیک جو شخص ان سب لوگوں کی خیانت کرے وہ کیسا ہے؟ عقیل نے کہا کہ اس سے بدتر کوئی شخص نہیں، امیرالمومنین نے ہنسکر فرمایا "تم مجھ سے یہی تو چاہتے ہو کہ میں ان سب کی خیانت کروں اور تمکو ان تمام لوگوں کے حقوق میں سے مخصوص امتیاز دیدوں"!
کچھ روز پھر سکوت کرنے کے بعد عقیل نے اپنی خواہش کا اعادہ کیا اور اب کی مرتبہ اولاد کو لیکر حضرت کی خدمت میں آئے جنکے چہروں سے فقر و فاقہ کے آثار نمایاں تھے، حضرت نے پھر اپنے حصہ کو، جو بیت المال سے مقرر تھا دینے پر آمادگی ظاہر فرمائی۔ اور جب انھوں نے اسے منظور نہ کیا تو حضرت نے فرمایا کہ شام کو میرے پاس آنا، جب وہ وقت آیا عقیل حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ایک ٹکڑا لوہے کا جو آگ سے گرم کیا ہوا کہا تھا اُن کے ہاتھ پر رکھا، عقیل فریاد کرنے لگے کہ آپ مجھکو آگ سے کیوں اذیت

دیتے ہیں؟ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ تم ایک لوہے کے ٹکڑے سے جو دنیا کی معمولی آگ سے گرم کیا گیا ہے اتنا گھبراتے ہو اور مجھ کو چاہتے ہو ایسی آگ میں بھیجو جسے خدا نے اپنے قہر و غضب سے روشن کیا ہے۔

کوتاہ نظر اور ظاہر بین افراد امیر المومنینؑ کے اس طرز عمل کو چاہے سیاست اور اصول حکومت کے خلاف تصور کریں لیکن اگر عقل و انصاف کی روشنی میں دیکھا جائے تو علی بن ابیطالبؑ کا طرز عمل اسلامی اصول مساوات کا بہترین نمونہ ہے،

کیا امیر المومنین سے اسکی توقع کیجا سکتی ہی کہ وہ بھی مثل سابق دور کے تمام بیت المال کو اپنے اعزہ و اقارب سے مخصوص کر دیتے اور تمام مسلمان اس سے محروم کر دیئے جاتے، علی بن ابیطالب اپنی خلافت میں ملوکانہ سیاست کے استعمال کے محتاج نہ تھے، ان کی خلافت خلافت الٰہیہ تھی اور روحانی طاقت و قوت پر اُس کا دار و مدار تھا۔

عَالمِ اِنسَانیت کا معلم اعظم (۱)

آفتاب لاکھون بار زمین کے گرد گردش کرے یا زمین کروڑون مرتبہ آفتاب کے گرد چکر لگائے، لیل و نہار کے سیاہ و سفید ورق اپنے تمام دلاویز نقوش کے ساتھ سامنے آئین اور گذر جائین اور افراد انسانی کیلئے اپنا وجود صفحۂ تاریخ مین محفوظ کر جائین، انسانی نسل کے قافلہ اس منزل مین اُترین، رہین سہین اور سفری ہو جائین لیکن ”انسان کامل“ یا عالم انسانیت کے معلم اعظم“ کی تلاش تمکو ہمیشہ ایک محدود ہی دائرہ کی طرف رہنمائی کرے گی جس مین وسعت کا پتہ اور کثرتِ تعداد کا نشان نہین۔

ہر قوم اپنے لئے گنتی کے افراد رکھتی ہے جنکو وہ اپنے کامل ترین افراد کی فہرست مین پیش کر سکتی ہے اور ان مین بھی جب انتخاب کیا جائے تو سب سے زیادہ کامل تر ہستی ایک ہی ہوگی جو اُس خط ارتقاء کا انتہائی نقطہ سمجھی جا سکتی ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ اقوام عالم مین باعتبار اپنی صداقت روحانیت اور خصوصیات روحانی کے سب سے زیادہ مکمل قوم اسلام کی قوم ہے تو یہ بھی

(۱) سرفراز رجب نمبر ۱۳۵۲ھ

تسلیم کرنا ضروری ہوگا کہ اس قوم کی "کامل ترین" یا "سب سے بڑی ہستی" وہی ہونا چاہیے جو تمام "عالم انسانیت" میں یکساں طور پر "معلم اعظم" سمجھی جاسکے۔

دنیا مادہ پسند ہے اور مادی اشیاء پر جان دیتی ہے، مسلمانوں کے عام افراد بھی اپنے بشری اقتضاء طبع کی بناء پر اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے، انھوں نے عظمت کا معیار ظاہری شان و شوکت، اکثریت، انتظامی معاملات میں ظاہری سوجھ بوجھ اور بست و کشاد، نظم و نسق کی قابلیت کو سمجھ لیا اور اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے لگے لیکن اگر خود اسلام ایک علمی قانون ہے، اگر اس نے اقوال سے زیادہ اعمال کو اہمیت دی ہے۔ اگر وہ اپنے ماننے والوں کی ترقی روحانی اور تہذیب نفسانی اور اخلاقی شائستگی کا ذمہ دار ہے تو اسکی مکمل ترین ہستی وہی ہو سکتی ہے جو اُن تعلیمات کا مکمل نمونہ او علمی مجسمہ ہو جس نے اپنے افعال و اعمال و زندگی کے ہر حرکت و سکون۔ سے دنیا کے لئے ایسے نمونے پیش کئے ہوں جن کی موافقت شائستگی ا لاق اور تہذیب نفس جامعۂ بشری کی شیرازہ بندی اور امن و امان، زندگانی ملی کے خوشگوار و کامیاب بنانے کی ضامن ہو، یہی ہستی وہ ہو سکتی ہے جو دنیائے اسلام کے "انسان کامل" یا "عالم انسانیت کے معلم اعظم" کا لقب پانے کی مستحق ہو۔

رسول اسلام نے اپنے تعلیمات کی ایک روح تھی کہ جو پھونکی اور ظرف و استعداد کے مطابق ہر ایک نے اس روح سے اثر لیا اور جاہلیت کی موت سے زندہ ہو کر نشاۃ ثانیہ حاصل کیا لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس روح کا مکمل اثر لے کہ خود اسی روح کا مجسمہ بنجانیوالی کچھ ہی مخصوص ہستیاں سمجھی جاسکتی ہیں جن میں بھی تفرقہ و امتیاز کی بنا پر افضل و اکمل ہستی ایک ہی ہو گی اور کوئی نہیں۔

بے شک افراد اسلام کی سیرت زندگی ہمارے سامنے ہے، تاریخ کے اوراق اُن تمام حوادث و واقعات کو اپنے نقوش و الفاظ کی طلسم سے محفوظ کئے ہوے ہیں جو خود ہماری آنکھون کے سامنے نہ ہوے تھے اور افسانہ ماضی بن چکے ہیں۔

اُن میں بعض تو ایسے تاریک مرقع ہین کہ جنکی طرف دیکھکر خود بخود آنکھ بند ہو جاتی ہے اور منھ پھر جاتا ہے بعض ایسے ناقص اور غیر مکمل مجسمے سامنے آتے ہین جن مین محاسن کے ساتھ عیوب و نقائص کی شرکت سے خط و خال بگڑا ہوا نظر آتا ہے اور نمونہ عمل بننے کے قابل نہین بعض اتنے مدہم نقوش ہین کہ جو صاف نظر نہین آتے اور جنمین کفر و اسلام کا امتیاز مشکل ہوتا ہے۔

حجاج بن یوسف ثقفی۔ عبدالملک بن مروان ولید۔ یزید بن معاویہ

معتصم ۔ منصور ۔ متوکل وغیرہ ایسے وہ افراد کہ جنھیں عام دینیتون نے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کیساتھ اولی الامر منکم کا مصداق قرار دیکر مسلمانوں کا قبلۂ اطاعت اور کعبۂ توجہ تبلایا ہو کیا یہی ایسے نمونے ہین جن کو عالم کے سامنے پیش کرکے ہم اسلام کی روحانیت اخلاقیت صداقت و حقانیت کے سامنے انکو سر تسلیم خم کرنے کی دعوت دین اور اُن ہی کے طرز عمل یعنی سفاکی، خونریزی، امن و اطمینان کے ساتھ دشمنی یا عیاشی، شہوت رانی، خواہش پرستی یا خود غرضی نفسانیت جانبداری کو نمونے مین پیش کرکے یہ دعوی کرین کہ اسلام دنیا مین شائستہ اخلاق اور بلند تعلیمات کا حامل و علمبردار اور انسانی ترقی و تہذیب کا ذمہ دار بن کر آیا ہے۔

یا اس سے آگے بڑھ کر شاہانہ شان و شوکت اور ملوکانہ حشم و خدم سیاسی جوڑ توڑ، مکاری، چال بازی یا اپنے مفاد کے لئے قوم و مذہب کے مفاد کو پامال کردینے کی تعلیم کو ناز و افتخار اور مسرت کیساتھ پیش کرکے اسلام کی روحانیت اور عملی تربیت کے کوس لمن الملکی بجانے کی جرأت کرین یا اور آگے جاکر حریت و مساوات کی بیقدری، اخوت اسلامی کی بے احترامی ۔ قبیلہ بندی اور اپنے قوم و قبیلہ بھائی بندون کیساتھ جانبداری آزادی رائے کو سلب کرنے کے ساتھ جبر و تشدد کی کارفرمائی، حق گویون

کی زبان بندی اور انکی دل آزاری معاہدات کے خلاف ورزی اور جمہور
کے جذبات کی پامالی یہ ہے جو اسلامی تعلیمات کے نمونے مین پیش کیجائے؟
یا اسلام کی روحانیت و صداقت کی بہترین سند اور اسلام کی تعلیم
اخلاق و تہذیب اجتماعی کی مکمل شاہکار انھی فتوحات کو قرار دے لیا
جائے جن مین اسلام کی تلوار جارحانہ صورت سے دنیا کے امن و امان کو
خاک مین ملا رہی تھی اور آس پاس کے ہمسایہ اقوام کو تباہ کرکے اپنی
سلطنت اور حدود مملکت مین اضافہ کر رہی تھی اور جس نے ہمیشہ کیلئے
اسلام کے پاک دامن پر یہ دھبہ لگا دیا کہ وہ امن و امان کا دشمن ہے، اور یہ کہ وہ تلوار
کے زور سے پھیلا ہے؟ یا اس علم دوستی و ادب پروری کو اسلامی تعلیمات کا نمونہ سمجھا
جائے۔ جو کتب خانہ اسکندریہ کے تباہ ہونے کی صورت مین ظاہر ہوئی
جس کی وجہ سے علم دوست اقوام یہ کہنے لگے کہ "اسلام علم کا دشمن ہے"
یا اسلام کی سچائی روحانیت کا ثبوت ذاتی نفوذ و اقتدار جاہ طلبی
شخصیت پروری حقداروں کے حقوق سے چشم پوشی اور حق طلبی کے خلاف
جبر و تشدد، تخویف و تہدید، ظلم و استبداد، ناانصافی اور غیر رواداری
وغیرہ ایسے اوصاف کو سمجھا جائے جنکے واقعات تاریخ اسلامی مین صاف
طور سے محفوظ ہیں۔ آخر پھر کوئی بتائے کہ غیر اسلامی دنیا کے سامنے ہم
اسلامی تعلیمات کے عملی نتیجہ کی کس طرح روشناسی کرائیں اور کسطرح ہم

ثابت کریں کہ اسلام عملی مذہب ہے اور ایسے افراد ہیں جنھوں نے اسکے تعلیمات پر اس طرح عمل کیا کہ وہ اسکی مجسم مثال بن گئے۔

بیشک اس کے لئے دنیائے اسلام میں چند ہی ہستیاں ہیں جنکے عملی اوصاف محامد و خصال اور اخلاق و عادات کا آئینہ اتنا صاف اور بے عیب ہے جس میں کوئی دھبہ نظر نہیں آتا۔ اور انہیں ممتاز و نمایاں ہستی رسول اسلام کے حقیقی جانشین اور ملت اسلامیہ کے واحد رہنما حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب کی ہی۔

ضرورت ہی کہ دنیا آپ کی سیرت زندگی۔ اوصاف و کمالات شئون افعال و اعمال کو دیکھے سمجھے اور غور کرے، اُن کے عظیم نکات اسرار تک پہونچنے کی کوشش کرے۔ اور دنیا کے سامنے پیش کرے۔ بیشک علیؑ ہی کی ہستی وہ ہے جس کا اتباع ملت اسلامیہ کے ارتقاء روحانی اور تہذیب و شائستگی اور تعظیم ملی کا ذمہ دار ہے اور یہی ہستی وہ ہی جسکو دنیا کے سامنے پیش کر کے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہے "دنیا کا انسان کامل" اور یہ ہے عالم انسانیت کا معلم اعظم"۔

علی نقوی النقوی عفی عنہ